

ہماری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ : اللہ کی ذات خالق اور باقی ساری کائنات مخلوق ہے۔ اللہ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (التقص : ۸۸)  
 ”ہر شے ہلاک ہو جانے والی ہے سوائے اس کے روئے انور کے۔“

نیز فرمایا :

﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْحَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمن : ۲۷)

”اور صرف تیرے رب کی جلیل و کرم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔“

گویا کہ ہر شے قافی ہے، باقی صرف وہی ہے، ازل وابدی وجود صرف اسی کا ہے۔ وہ تمام اپنی ذات میں، اپنی صفات میں، اپنے حقوق میں، اپنے اختیارات میں، اور وہ کسی کو اپنے اختیارات میں شریک نہیں کرتا۔ ”وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا“ (الکھن : ۲۶)  
 البتہ ساری کائنات حادث اور قافی ہے، ایک وقت پر پیدا ہوئی اور ایک خاص وقت کے لئے ہے ہمیشہ کے لئے نہیں ہے :

﴿مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (الاحقاف : ۳)

”ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدت خاص کے تعین کے ساتھ پیدا کیا ہے۔“

(جاری ہے)



قرآن حکیم کی متعدد آیات اور احادیث آپ کی دینی سطوات میں اخصائے اور تبلیغ کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ذیل ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے منظر نہ لگیں۔

# سائنس کی بے خدائیت کے خلاف اقبال کا جہاد

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

اقبال دور حاضر کا سب سے پہلا مفکر ہے جس نے سائنس کی بے خدائیت (Godlessness) کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ وہ پرورد الفاظ میں کہتا ہے ۔

”جس کی تیج جگر دار اڑا لی کس نے

علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

یہاں علم سے اقبال کی مراد سائنس ہے اور کوئی دوسرا علم نہیں۔ چنانچہ اقبال خود اپنے خطوط میں ایک جگہ لکھتا ہے :

”علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دار و مدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ ان ہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہئے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو شیطنیت ہے۔ یہ علم، علم حق کی ابتدا ہے۔“

اقبال کے اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات ہے کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب عشق کی تیج جگر دار سائنس کی نیام کے اندر اپنی جگہ پر موجود تھی اور بعد میں یہ افسوسناک حادثہ پیش آیا کہ کسی نے اس تلوار کو اس نیام سے اڑا لیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ نیام اب تک خالی پڑی ہوئی ہے۔ یہاں اقبال کا اشارہ اس تاریخی حقیقت کی طرف ہے جو سارٹن (Sarton) اور بریفو (Briffault) کی تحریروں سے اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سائنسی علوم کے بانی اور سائنسی طریق تحقیق کے موجد یونان کے مسلمان تھے۔ اور یہ مسلمان سائنس کے موجد اس لئے بنے تھے کہ ان کی مقدس کتاب قرآن حکیم نے ان کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں، کیونکہ ان کا

مشاہدہ اور مطالعہ خدا کی معرفت کا سب سے پہلا ذریعہ ہے۔ ان کو بتایا گیا تھا کہ خدا کی ہستی اور خدا کی صفاتِ جمال و جلال کے نشانات مظاہر قدرت کے اندر آشکار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خدا کی معرفت کی جستجو میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا اور اس سے جو نتائج حاصل کئے ان کو ضبط تحریر میں لائے۔ آج اسی قسم کے نتائج کو ہی ہم سائنس کا نام دیتے ہیں۔ چونکہ دنیا کے ان پہلے سائنس دانوں کی سائنس خدا کے عقیدے سے پیدا ہوئی تھی لہذا وہ خدا کے عقیدہ کے ارد گرد ہی گھومتی تھی۔

جب ہسپانوی مسلمانوں کے سیاسی حالات نے پلٹا دکھایا اور وہ سپین سے نکلنے پر مجبور ہوئے تو سائنس یورپ کے ان لوگوں کے ہاتھ آئی جو پولوسیت (Paulism) یا جدید مسیحیت کے پیرو تھے۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ دین اور دنیا الگ الگ چیزیں ہیں، ایک پاک اور مقدس ہے اور دوسری ناپاک اور غیر مقدس۔ لہذا دنیا کے علم کو جسے سائنس کہا جاتا ہے خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ سائنس اور سائنس دانوں سے کلیسا کی گہری اور آشکار دشمنی نے اس عقیدہ کے لئے مزید ثبوت بہم پہنچایا اور کلیسا اور ریاست کے افتراق نے جو دونوں کے طویل اور شدید جھگڑوں کے بعد ایک اٹل حقیقت کے طور پر رونما ہوا تھا، اس عقیدہ کو تقویت دی اور اس کے لئے راستہ صاف کیا۔ لہذا اس عقیدہ نے جامعہ عمل پہنا اور سائنس سے خدا کا نام خارج کر دیا گیا۔ یہ کلیتہً وجود میں تفریق پیدا کرنے اور خود حقیقتِ کائنات کو دو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کی ایک نامعقول اور ناپاک جسارت تھی جس کے پیچھے کوئی علمی یا عقلی دلیل موجود نہ تھی۔ تاہم سائنس کی بے خدایت کا عقیدہ جو اس طرح عیسائیت کے بطن سے پیدا ہوا تھا، عیسائی مغرب کی دنیا میں متمکن ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ سائنس میں اس عقیدہ کے جاگزیں ہونے کے بعد کوئی ایسے سائنسی نظریات پیدا نہ ہو سکے تھے جو اس سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ لہذا ایسے سائنسی نظریات وجود میں آنے لگے جو دراصل اسی کی پیداوار تھے لیکن جن کو آسانی سے اس کا ثبوت سمجھا جاسکتا تھا۔ ایسے سائنسی نظریات میں ہم انیسویں صدی کی طبیعیاتی مادیت اور میکینیت کو اور ڈارون کے میکاکی اور مادی نظریہ ارتقاء کو شمار کر سکتے ہیں جنہوں نے اس خیال کو بظاہر



کرنے کی قدرت رکھتی ہو لیکن ایک کامل شخصیت نہ ہو۔ ہمارا تجربہ اس قسم کے لنگڑے تصورات کی نفی کرتا ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریاضیاتی فکر اور مقصدیت کے اوصاف جس وجود میں ہوتے ہیں وہ شخصیت کے باقی ماندہ جذباتی اور اخلاقی اوصاف سے بے بہرہ نہیں ہوتا۔ لہذا ہم قرآن حکیم کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ قدرت میں جو ریاضیاتی ذہن یا قوت حیات کار فرما ہے وہ خدا ہی ہے۔ لیکن سائنس کی بے خدائیت کا مذہبی عقیدہ مانع ہے کہ مغرب کے سائنس دان بات ایسے الفاظ میں کہیں۔

اگرچہ بے خدا سائنس یہ نہیں کہتی کہ خدا موجود نہیں، لیکن وہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ اس طرح سے کرتی ہے کہ گویا ان کا کوئی خالق نہیں، اور اگر ہے تو اس کی صفات کا کوئی نشان ان کے اندر موجود نہیں۔ اس طرح سے وہ اس دروازہ کو بند کر دیتا ہے۔

اقبال کا یہ خیال قرآن حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق ہے کہ خدا کی معرفت کا پہلا ذریعہ انسان کے حواس ہیں جن کی مدد سے وہ مظاہر قدرت میں خدا کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بغیر ہم خالق اور رب، اور رحیم اور کریم اور عادل، اور حفیظ اور علیم، اور سمیع اور بصیر، اور مومن اور مہیمن ایسے الفاظ کے معنی نہیں سمجھ سکتے جو خدا کی صفات کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان سے قرآن حکیم کا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان لانے کے لئے مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرے۔ حواس کے بعد خدا کی معرفت کا دوسرا ذریعہ ذکر ہے جس کی مدد سے انسان قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بغیر اور مسجد کے ایک کونہ میں بیٹھ کر بھی خدا کی صفات پر غور و فکر کر سکتا ہے کیونکہ وہ پہلے قدرت کے مشاہدہ سے ان الفاظ کے معنی سمجھ چکا ہوتا ہے جو خدا کی صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اس ذکر سے خدا کا حضور یا خدا کے قرب کا احساس پیدا ہوتا ہے جو عشق یا محبت ہے اور شعور یا ادراک سے بالاتر سطح کی چیز ہے۔ اقبال نے اس مطلب کو ایک شعر میں ادا کیا ہے۔

علم حق اول حواس آخر حضور

آخر اوے نگنجد در شعور

ایک اور جگہ وہ اس خیال کا اظہار اس طرح سے کرتا ہے ۔

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام  
وہ جس کی شان میں آیا ہے عَلَّمَ الْأَسْمَاءَ  
مقام فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان  
مقام ذکر ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى

الغرض بے خدا سائنس خدا کا انکار کرنے کے بغیر انسان کو اس طرح سے سوچنے اور کام کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ خدا موجود ہی نہیں۔ بے خدا سائنس نے ہی اس نامعقول اور بے بنیاد عقیدہ کو رواج دیا ہے کہ ہر معیاری فلسفہ وہی ہے جس میں خدا ایک حقیقت کے طور پر نہ کو رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بے خدا سائنس کے اس زمانہ میں کائنات کے جس قدر فلسفے پیدا ہوئے ہیں مثلاً 'مارکس ازم'، 'میکلڈگل ازم'، 'فرائڈ ازم'، 'ایڈلر ازم'، 'بی ہویئر ازم'، 'لاجیل پازنٹو ازم'، 'ہیومن ازم' وہ سب بے خدا ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بے خدا سائنس کے اس زمانہ میں انسانی فطرت اور انسانی اعمال کے جس قدر نظریات وجود میں آئے ہیں وہ بھی سب کے سب بے خدا ہیں۔ مثلاً بے خدا فلسفہ سیاست، بے خدا فلسفہ اخلاق، بے خدا اقتصادیات، بے خدا قانون، بے خدا فلسفہ تعلیم، بے خدا نفسیات فرد اور بے خدا نفسیات جماعت۔ لہذا سائنس کا بے خدا ہونا کوئی معمولی سا، معصوم سا اور بے ضرر سا تقیر نہیں جو صرف کتابوں ہی میں آیا ہو۔ اس نے انسان کی کتابوں کو ہی نہیں بدلا بلکہ اس کے جملہ عقیدوں، قدروں، منصوبوں، مقصدوں اور حق و باطل، نیک و بد اور خوب و زشت کے معیاروں، حتیٰ کہ امیدوں اور آرزوؤں کو بدل کر اس کے اعمال و افعال کو بھی بدل ڈالا ہے۔ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ وہ جو سوچتا ہے وہی کرتا ہے۔ اگر اس کے افکار و آراء اور اس کے تصورات و نظریات بے خدا ہوں تو اس کے اعمال و افعال کا بے خدا ہونا ضروری ہے۔ لہذا سائنس کی بے خدایت عالم انسانی کا ایک بہت بڑا حادثہ ہے جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے۔ اسی کی وجہ سے اب دنیا میں کوئی ایسی ہمہ گیر اخلاقی اور روحانی قوت باقی نہیں رہی جو اندر سے انسانی اعمال کو ضبط میں لا کر صحیح راستہ پر ڈال سکے۔ یہی حقیقت ہے جو دورِ حاضر کے انسان کی

تمام بد قسمتیوں اور پریشانیوں کا بنیادی سبب ہے۔ مثلاً عالمگیر جنگوں کا ایک سلسلہ جو ختم ہونے میں نہیں آتا، میزائیکلوں اور ایٹم بموں کے بڑھتے ہوئے انبار، بین الاقوامی معیار اخلاق کا فقدان، سیاست دانوں کے جھوٹ اور فریب، سیاسی سازشیں اور ان سے پیدا ہونے والے سیاسی قتل اور سیاسی انقلابات، اقتصادی خوشحالی کے باوجود اطمینانِ قلب کا فقدان، اور ذہنی بیماریوں، خود کشیوں اور جرائم کی روز افزوں تعداد، آزاد جنسیت، طفولیتی بے راہ روی، علم اور استاد کے احترام کا زوال اور علمی درسگاہوں کے ضبط و نظم کا ہکا بکا وغیرہ۔ اس وقت ہر جدید کالج ایسے نوجوانوں کی تربیت گاہ ہے جو خدا اور مذہب اور اخلاق کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ اکبر نے ایسے ہی کالج کے لئے تھا۔

بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا  
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور اگر کوئی پوچھے کہ مسلمانوں کے علمی، دینی، اخلاقی اور سیاسی انحطاط کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب کیا ہے تو پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھی سائنس کی بے خدایت ہے جسے مسلمانوں نے بھی ہر جگہ اپنی یونیورسٹیوں میں اپنا لیا ہے۔ اقبال بڑے سوز اور درد کے ساتھ اپنے ساتھی سے کسی ایسے کافر ادا محبوب کی شکایت کرتا ہے جس کے غمزہ خوریز نے اللہ کا نام لینے والوں کی متاع دین و دانش کو لوٹ لیا ہے۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی  
یہ کس کافر ادا کا غمزہ خوریز ہے ساتھی

یہ کافر ادا محبوب مغرب کا یہی بے خدا علم ہے جس نے مسلمانوں کے فکر کو اللہ سے بیگانہ کر دیا ہے۔

یہی وہ حقائق ہیں جن کی بنا پر اقبال نے سائنس کی بے خدایت کے خلاف علم جہاد بلند کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

علم بے عشق است از طاغوتیاں علم باعشق است از لاهوتیاں!  
علم کو از عشق برخوردار نیست جز نمائش خانہ افکار نیست  
کتاب از مقصود خویش آگاہ نیست  
تا بچند اندرونش راہ نیست

شیخ کتب ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے روح انسانی  
کتبہ دلپذیر تیرے لئے کہہ گیا ہے حکیم قآنی  
”پیش خورشید بر مکش دیوار  
خواہی ار صحن خانہ نورانی“

اقبال ہماری توجہ بجا طور پر اس بات کی طرف مبذول کرتا ہے کہ اگر سائنس کو خدا کے تصور پر قائم کیا جائے تو ترقی کرتے ہوئے وہ اپنے غلط نتائج کو خود درست کرتی چلی جاتی ہے۔ بے خدا سائنس میں یہ خاصیت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ خدا کے تصور کی راہنمائی اور روشنی سے محروم ہوتی ہے۔

اقبال نے علم اور عشق کی ایک گفتگو نظم کی ہے جس میں وہ اپنے دلکش اشعار کی پوری قوت کے ساتھ سائنس کو خدا کے تصور کے ساتھ متحد کرنے پر زور دیتا ہے۔

سائنس کہتی ہے :

لکھم راز دارِ ہفت و چار است      گرفتارِ کندم روزگار است  
جہاں نیم بایں سو باز کردند      مرا با آنسوئے گردوں چہ کار است  
پیکہ صد نغمہ از سازه کہ دارم  
ببازار انگنم رازے کہ دارم

عشق جواب دیتا ہے :

ز افسون تو دریا شعلہ زار است      ہوا آتش گزار و زہر دار است  
چو با من یار بودی، نور بودی      بریدی از من و نور تو نار است  
مخلوط خانہء      لاہوت زادی  
ولیکن در      نِخِ شیطان فتادی